اللہ کے نور کا مظہر کامل دنیا میں ظاہر ہوا اور مخلوقات میں سراج بن کے چمکا وہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 10 رنومبر 1995ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ﴿۳۶﴾ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۷﴾ (النور: 36، 37)

پھر فرمایا:۔

یہ سورۃ النور کی 36 ویں اور 37 ویں آیتیں ہیں جن کی میں نے تلاوت کی ہے۔ اس میں سے پہلی یعنی 36 ویں آیت وہ آیت نور ہے جس پر دراصل اس سورۃ کو ہی سورۃ نور کہا جاتا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس آیت کو تحریر فرما کر جو اس کی تفسیر فرماتے ہیں آپؑ ہی کے الفاظ میں آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔ یہ آیت لکھ کر حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:۔

’’خدا آسمان و زمین کا نور ہے یعنی ہر ایک نور جو بلندی اور پستی میں ہے نظر آتا ہے۔۔۔‘‘

صرف بلندی ہی کا نور سے تعلق نہیں۔ ہر پستی کا بھی نور سے تعلق ہے۔

’’۔۔۔یعنی ہر ایک نور جو بلندی اور پستی میں نظر آتا ہے خواہ وہ ارواح میں ہے، خواہ اجسام میں ہے اور خواہ ذاتی ہے اور خواہ عرضی۔۔۔‘‘

ذاتی سے مراد یہ ہے کہ اس کی ہیئت کے اندر بات داخل ہے اس کے جسم میں چیز داخل ہے اس کے وجود کا حصہ ہے اور عرضی کہتے ہیں ایسی صفات کو جو آتی جاتی رہتی ہیں۔ ان صفات سے وجود کے حجم میں، اس کے وزن میں نہ اضافہ ہوتا ہے نہ کمی ہوتی ہے۔ ایسی صفات کو عرضی کہتے ہیں۔ پس ایک انسان کا اچھا ہونا یا برا ہونا اس کی عرضی صفات ہیں۔ اس کے جسم کا حجم اور اس کی شکل، صورت، اس کی بناوٹ یہ ساری مل کر اس کی ذاتی صفات بن جاتی ہیں۔ مگر شکل پھر بھی ذاتی نہیں ہے۔ ان معنوں میں کہ شکل بدل بھی جائے تو اس کے تجسم پر کوئی فرق نہیں پڑتا تو وہ تمام چیزیں جو صوتی رنگ رکھتی ہوں یا ایسی صفات ہوں جو کسی چیز میں اضافہ نہ کریں بلکہ کسی چیز کو مختلف شکلوں اور مختلف رنگ میں اس طرح پیش کریں کہ ان کے تشخص میں تبدیلی ہو لیکن ان کی جسامت، حجم اور ان کی اندرونی حالت میں تبدیلی نہ ہو ان کو عرضی صفات کہا جاتا ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ نور خواہ جسم سے تعلق رکھتا ہو یعنی اس کی بناوٹ میں داخل ہو جو جسم ہے یا ایک عارضی صفت ہے جو آئی اور گزر گئی، ہر دو صورت میں یہ اللہ ہی کا نور ہے خواہ باطنی ہو اور خواہ ذہنی ہو، خواہ خارجی۔ پھر فرماتے ہیں اور خواہ ظاہری ہو، عرضی ہو خواہ ظاہری ہو اور خواہ باطنی، جو دکھائی دینے والا ہو وہ ہو یا وہ جو مخفی ہے مثلاً ایک ہی انسان کی خوبیاں بسا اوقات اس میں مخفی ہوتی ہیں جب تک وہ جلوہ نہ دکھائیں اس کی خوبیوں کا پتہ نہیں چلتا اور صورت بالعموم ظاہر و باہر ہوتی ہے اور وہ دکھائی دے دیتی ہے۔ اس صورت میں خواہ یہ کیفیت ہو یا دوسری ’’خواہ ذہنی ہو خواہ خارجی‘‘ خواہ ذہن کے اندر کوئی نور پیدا ہوا ہے جس کا ظاہر سے تعلق نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی کوئی صفت ذہن پر روشن ہوئی ہے، کوئی عرفان کا نکتہ ہاتھ آیا ہے۔ یہ نور کے لمحات ہیں جو ذہن کو میسر آتے ہیں۔ ایک ظاہری طور پر خدا کی جلوہ گری کو کسی چیز میں دیکھتا ہے وہ بھی نور ہے۔ تو

فرمایا جو بھی مختلف شکلیں نور کی تم سوچ سکتے ہو وہ تمام تر شکلیں

''۔۔۔اسی کے فیض کا عطیہ ہے۔۔۔''

یہ ہے مطلب اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا کہ کوئی بھی فیض ایسا نہیں جو کائنات میں ظاہر ہو یا مخفی ہو۔

اس صورت میں جو خدا سے فیض یافتہ نہ ہو۔ پس ان معنوں میں اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ کا مطلب یہ بنے گا کہ ہر مخلوق خدا تعالیٰ سے فیض یافتہ ہے اگر خدا کا فیض اس سے تعلق توڑ لے تو وہ کالعدم ہو جائے گی بلکہ عدم ہو جائے گی۔ کوئی وجود، وجود رہ ہی نہیں سکتا جب تک خدا تعالیٰ کا فیض اس پر جلوہ گری نہ کرے۔ یہ عام معنی ہے جس کا رحمانیت سے تعلق ہے اور جانداروں، بے جانوں، کائنات کا ذرہ ذرہ جو نظر آتا ہے یا نہیں آتا ان سب کا صفتِ رحمانیت سے تعلق ہے اور رحمانیت ان میں جلوہ گر ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس تشریح کے بعد فرماتے ہیں۔

''۔۔۔یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرتِ رب العالمین کا فیضِ عام ہر چیز پر محیط ہو رہا ہے اور کوئی اس فیض سے خالی نہیں۔ وہی تمام فیوض کا مبدء ہے اور تمام انوار کا علّت العِلل اور تمام رحمتوں کا سر چشمہ ہے۔ اسی کی ہستی حقیقی تمام عالم کی قیوم اور تمام زیروزبر کی پناہ ہے''۔

یعنی تمام کائنات کا قیوم اس کو سہارا دینے والا ہے اور ہر نیچے اور اوپر کی پناہ بھی وہی ہے۔ اس کو پناہ ملتی ہے تو خدا کی طاقت میں ملتی ہے۔ یہ تعریف ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی۔ پھر فرمایا۔

''وہی ہے جس نے ہر ایک چیز کو ظلمت خانہ عدم سے باہر نکالا''

یعنی نور کیوں کہا گیا ہے۔ عدم کو ظلمت خانہ قرار دیا ہے۔ عدم، وجود کے مقابل پر ایک ظلمت خانہ ہے اور عدم سے جب وجود ابھرتا ہے تو گویا نور ابھرتا ہے اور عدم سے وجود میں اچھالنے والی ذات اللہ کی ذات ہے۔ پس اس پہلو سے ہر چیز کا نور اللہ تعالیٰ ہے۔

''۔۔جس نے ہر ایک چیز کو ظلمت خانہ عدم سے باہر نکالا اور خلعتِ

وجود بخشا۔ بجز اس کے کوئی ایسا وجود نہیں ہے جو فی حد ذاتہٖ واجب اور قدیم ہو۔۔۔''

یہ تعریف ہے اللہ کے نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہونے کی کیونکہ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فی ذاتہٖ ہیں نہ واجب ہیں یعنی اپنی ذات میں نہ ہمیشہ کے لئے قائم رہ سکتی ہیں نہ ہمیشہ سے ہیں۔ پس یہ خدا کا نور نہیں ہیں بلکہ خدا کے نور کے مظہر ہیں۔ یہ نتیجہ آخر پر نکلتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آخر پر یہ فقرہ زائد کرنا ایک بہت ہی اہم مسئلے کا حل کر گیا ہے جسے ہزار ہا سال سے فلسفی حل کرنے کی کوشش میں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ نور ہے تو پھر جو چیز اس کا مظہر ہے وہ خدا ہی ہوئی۔ اگر اس کے سوا کچھ نہیں تو ہم بھی خدا، یہ بھیڑ بکریاں، یہ پتے، یہ روشنی کی قسمیں، یہ کرہ ہائے ارض و سماوات یہ تمام کے تمام اللہ ہی ہیں۔ وہ حد فاصل کیا ہے۔ اس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں ظاہر فرمایا ہے کہ یہ سارے جو اللہ کا نور کہلاتے ہیں ان میں اور اللہ میں یہ فرق ہے کہ یہ نور صرف خدا کے نور کے حجاب ہیں۔ فی ذاتہٖ ان میں نہ ہمیشہ سے ہونے کی صفت پائی جاتی ہے نہ ان میں سے کوئی چیز اپنی ذات میں قائم رہ سکتی ہے۔ خدا اپنی تکوین کی تجلی جب کسی چیز سے اٹھائے وہ عدم ہو جائے گی اور خدا عدم ہو نہیں سکتا۔ ان سب چیزوں کا ایک آغاز ہے اور خدا کا آغاز کوئی نہیں۔ تو یہ حد فاصل آپؑ نے قائم فرما دی جس کے نتیجے میں یہ توہمات اٹھ گئے کہ یہ گویا خدا ہی ہیں اور کچھ نہیں ہیں۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''جو فی حد ذاتہٖ واجب اور قدیم ہو یا اس سے مستفیض نہ ہو بلکہ خاک اور افلاک اور انسان اور حیوان، حجر اور شجر اور روح اور جسم سب اسی کے فیضان سے وجود پذیر ہیں۔۔۔''

کوئی بھی ایسا وجود کا تصور نہیں ہو سکتا جو خدا کے فیض کے بغیر اپنی ذات میں قائم رہ سکتا ہو۔

''۔۔۔یہی فیضان ہے جس نے دائرہ کی طرح ہر ایک چیز پر احاطہ کر رکھا ہے''۔۔۔

کوئی بھی وجود جس کا آپ تصور کر سکتے ہیں اس دائرے سے باہر نہیں جا سکتا۔ خدا کے فیضان کے دائرے کے اندر رہے گا۔

’’جس کے فائز ہونے کے لئے کوئی قابلیت کی شرط نہیں‘‘۔

یعنی اس کے لئے کسی قسم کی ذاتی قابلیت کی کوئی شرط نہیں ہے۔ بری چیز کا تصور کر لیں، اچھی چیز کا تصور کر لیں جو کچھ بھی ہے وہ خدا کے نور سے فیض یافتہ ہے یعنی جب تک جس حالت میں ہے خدا کے فیصلے کی محتاج اور اسی کی طاقت کی محتاج ہے۔ یہ سمجھنے سے شیطان کا وہ سوال بھی سمجھ آ جاتا ہے کہ مجھے قیامت تک مہلت دے۔ شیطان کو اتنا عرفان تو تھا کہ خدا کے سہارے کے بغیر اگر وہ مجھے اجازت نہ دے تو میں ایک لمحہ بھی ان بری کارروائیوں کو بھی نہیں کر سکتا جن میں میں ملوث ہونا چاہتا ہوں۔ پس قیامت تک شیطان بھی، اللہ نے اس کو مہلت دی ہے تو وہ کام کرتا ہے ورنہ یہ کام بھی نہیں کر سکتا تھا۔ تو اس سے وہ تعلق سمجھ آ گیا جو نیک و بد کا تعلق ہے اور خدا کی ذات میں یہ تعلق کہاں کیسے قائم ہوتے ہیں۔ اللہ نیکی چاہتا ہے مگر جب کوئی بد بنتا ہے تو ایک فیصلہ کرتا ہے کہ میں نیکی نہیں چاہتا میں بدی چاہتا ہوں۔ اللہ جن چیزوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ چاہیں تو نیک رہنے کا فیصلہ کریں، چاہیں تو بد رہنے کا فیصلہ کریں وہ نیک اور بد کی تمیز بھی رکھتی ہیں اور نیک اور بد ہونے کی طاقت بھی رکھتی ہیں لیکن چونکہ خدا کے بغیر نہ ان کی بد حالت قائم رہ سکتی ہے نہ نیک حالت اس لئے نور کا ایک تعلق دونوں سے بن جاتا ہے۔

بذاتِ خود خدا سے بدی نہیں پھوٹ سکتی مگر بدی کو مجال نہیں کہ خدا کی اجازت کے بغیر قائم رہ سکے۔ پس اجازت کا ہونا نیک و بد کی تقدیر کا حل ہے اور اس کو آپ سمجھ جائیں تو پتا لگے گا کہ خدا سے شر نہیں پھوٹتا مگر خدا کی اجازت کے بغیر شر رہ بھی نہیں سکتا اور چونکہ اجازت سے رہ سکتا ہے اور رہنے اور شر کو رکھنے والا اس فیصلے میں مختار ہے کہ شر کو اختیار کرے یا نیکی کو اختیار کرے اس لئے جزا سزا کا حکم جاری ہو جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے شیطان کے اس مکالمہ کو محفوظ کر کے ہمیشہ کے لئے ہمارے سامنے یہ مسئلہ کھول دیا کہ شیطان بھی میری اجازت کے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔ میں نے اجازت دی اور یہ بھی کہا کہ اپنے بندوں کو بھی اجازت دیتا ہوں کہ چاہیں تو تیری پیروی کریں، چاہیں تو میری پیروی کریں۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے عام ہونے کا ایک حیرت انگیز نظارہ ہے۔ شیطان کو اجازت دے کر بندوں کو یہ نہیں کہا کہ تمہیں بالکل اجازت ہی نہیں ہے۔ تم اس کی طرف جا ہی نہیں سکتے۔ جو اجازت دی وہ واپس لے لیتا دوسرے ہاتھ سے۔ فرمایا تم فکر نہ کرو تم جو زور لگانا ہے لگاؤ۔

اپنے پیادے چڑھا لاؤ، اپنے گھوڑے دوڑا لاؤ۔ تمام تر طاقتیں استعمال کرو۔ دائیں سے بھی آؤ بائیں سے بھی آؤ۔ جہاں سے تم نظر نہیں آتے وہاں سے بھی حملہ آور ہو۔ اجازت ہے کہ جو چاہے تمہارے پیچھے چلے، جو چاہے میرے پیچھے آئے۔ مگر جو میرے خالص بندے ہیں وہ کبھی تیرے پیچھے نہیں لگیں گے اجازت کے باوجود تیرا، ان پر غلبہ نہیں ہوگا۔ یہ تقدیر خیر و شر ہے جو قرآن کریم نے اس ازلی نکتے کے حوالے سے بیان فرمائی ہے۔

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ہر چیز جس کا بھی آپ تصور کر سکتے ہیں وہ نور ہی پر مبنی ہے۔ تو مطلب ہے فیض یافتہ ان معنوں میں ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی بد حالت بھی قائم نہیں رہ سکتی، کوئی اندھیرا قائم نہیں رہ سکتا، کوئی گڑھا قائم نہیں رہ سکتا، کوئی نقصان کا موقع پیدا ہو نہیں سکتا مگر ایک اجازت عام ہے جس کے تحت یہ واقعات اور حادثات رونما ہوتے ہیں۔

لیکن اس کے علاوہ ایک فیضِ خاص بھی ہے اور اس آیت کے پہلے ٹکڑے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ فیضِ خاص کی بات شروع ہوگئی ہے۔ اب اس کی تفصیل کیا ہے اس ایک تمثیل کی صورت میں ہمارے سامنے رکھا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

> ''۔۔۔لیکن بمقابلہ اس کے ایک خاص فیضان بھی ہے جو مشروط بشرائط ہے اور انہی افراد خاصہ پر فائز ہوتا ہے جن میں اس کے قبول کرنے کی قابلیت واستعداد موجود ہے۔۔۔''

یہ جو فیضِ عام تھا جیسا کہ میں نے دکھا دیا آپ کو، اس میں نیک و بد، خدا کے بندے مخلص جو خدا کے ہو چکے ہیں وہ بھی شامل ہیں اور بد بھی شامل ہیں اور اس فیضِ عام کی مثال ایسی بارش کی طرح ہے جو نیک و بد سب پر برابر اترتی ہے۔ وہ نعمتیں دنیا کی جن سے بسا اوقات بد زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور نیک کم فائدہ اٹھاتے دکھائی دیتے ہیں یہ اللہ کا نور ہی تو ہے، یہ ساری نعمتیں۔ پس جب بد قومیں بھی زندہ ہیں اور بعض دفعہ طاقتور ہو جاتی ہیں بعض دفعہ انہیں عارضی غلبہ نیک قوموں پر بھی نصیب ہو جاتا ہے تو صاف دکھائی دے دیتا ہے کہ ان کی یہ طاقت، ان کی عیش و عشرت، ان کا خدا کے انعامات سے فیض پانا اس رحمت عامہ کے نتیجہ میں ہے اور یہ اعتراض نہیں اٹھتا کہ گویا بدی کا خدا

سے تعلق ہے۔ بدی اس کے اذن اور اس کی رحمت سے بعض دفعہ اسی طرح فائدہ اٹھاتی ہے جس طرح نیکی فائدہ اٹھاتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس مضمون کو دوسری جگہ یوں کھول دیا ہے کہ میں نے اچھی چیزیں جتنی بھی تھیں یہ دنیا میں تو نیک و بد دونوں کے استفادے کے لئے پیدا کی ہیں۔ نیکوں کے لئے پیدا کیں مگر بد بھی فائدہ اٹھائیں گے لیکن مرنے کے بعد یہ چیزیں ان کے لئے مخصوص ہو جائیں گی جو میرے بندے بن کر، میرے بندے بننے کی حالت میں وفات پائیں۔ وہاں نیک کے لئے خاص ہوں گی بد ان سے محروم رہ جائیں گے۔ یہ وہ افاضہءِ خاص ہے یہ وہ خاص رحمت ہے جو ان بندوں پر نازل ہوتی ہے جو شیطان کے اثر کو قبول نہیں کرتے اور ان کے اس رحمت کے مستحق بننے کے لئے کچھ شرطیں مقرر ہیں، کچھ ایسے اعمال ان سے وابستہ ہیں جن کے نتیجے میں پھر یہ فیضِ خاص اترتا ہے ورنہ نہیں اترتا۔ نور کی اس قسم کو اللہ تعالیٰ نے اس مثال میں ظاہر کیا جس میں حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کو نور کی مثال بنا کے دکھایا یعنی یہ رحمتِ خاص جو خدا کے خاص، مخصوص بندوں پر نازل ہوتی ہے یہ جب عروج کرتی ہے اور اپنے ارتقاء کو پہنچ جاتی ہے جب یہ معراج کی حالت تک پہنچ جاتی ہے اس وقت محمد رسول اللہ ﷺ کا نور چمک اٹھتا ہے اور وہی نور ہے جو اس حالت کی آخری ترقی کا نام ہے۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی تعریف میں فرماتے ہیں:

”۔۔۔افراد خاصہ پر فائض ہوتا ہے جن میں اس کے قبول کرنے کی قابلیت و استعداد موجود ہے یعنی نفوس کا ملہ انبیاءؑ علیہم السلام پر جن میں سے افضل واعلیٰ ذات جامع البرکات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔۔۔“

پس خدا کے بندوں میں سے وہ طبقہ خاص جسے انبیاءؑ کہا جاتا ہے وہ بطور خاص اس نور کے محل بن جاتے ہیں، مورد ہو جاتے ہیں اور ان میں سب سے اوپر اور بالا مقام محمدیت کا مقام ہے جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوئے۔ میں کوشش تو کر رہا ہوں آپ کو سمجھانے کی مگر کئی خطوں سے پتا چلتا ہے کہ بعض لوگوں کے لئے اس کا سمجھنا مشکل ہے۔ کئی خطوں سے پتا چلتا ہے کہ ان کے مدتوں کے الجھے ہوئے مسئلے حل ہو گئے اس لئے میں مضمون پر بے شک اور بھی کہتا چلا جاؤں اور جو عجیب لطف کی

بات ہے جس کا اس مضمون سے تعلق ہے وہ یہ ہے کہ ان خطوں میں تعلیم کا فرق مظہر نہیں ہے تعلیم کوئی شرط نہیں ہے۔ بعض بڑے بڑے تعلیم یافتہ لکھتے ہیں کہ کچھ نہیں پلے پڑا، کچھ سمجھ نہیں آئی۔ بعض بالکل اَن پڑھ جو صرف لکھنا پڑھنا جانتے ہیں وہ حیرت انگیز طور پر سمجھتے بھی ہیں اور پھر تبصرہ ایسا کرتے ہیں جس سے صاف پتا چلتا ہے کہ ان کا دل روشن ہوا تھا تو یہ تبصرہ ہوا ہے اور اس سے اس مضمون کا تعلق ہے جواب میں بیان کرنے لگا ہوں۔

آنحضرت ﷺ جو مخلوقات میں نورِ کامل تھے، تعلیم میں بالکل سب سے نیچے تھے بظاہر، ایک ایسی قوم میں جن کو پڑھنے لکھنے کا شوق ہی نہیں تھا اس قوم میں ایک بظاہر ان پڑھ کی صورت میں پیدا ہوئے اور اس کے باوجود اتنی ترقی کی کہ نورِ کامل کا مخلوق میں مظہر بن گئے۔ اللہ کے نور کا مظہرِ کامل اگر دنیا میں کوئی ظاہر ہوا یا مخلوقات میں کوئی بھی نور بن کے چمکا تو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ تھے۔ پس ان باتوں کو جو لوگ عالمانہ باتیں کہتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ صرف اہل علم کی مجلس میں گفتگو ہونی چاہئیں ان کو میں سمجھاتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی باتوں کا تمام بنی نوع انسان سے تعلق ہے اور کوئی یہ عذر نہیں رکھ سکتا کہ میں تعلیم یافتہ نہیں تھا میں اس لئے سمجھ نہیں سکا کیونکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو کس نے تعلیم دی تھی۔ یہ نورِ تقویٰ ہے جو روشنی عطا کرتا ہے، جو علم سکھاتا ہے، جو عرفان کو بڑھاتا ہے۔ پس اگر کچھ دِقت ہے تو اپنی نظر کی فکر کریں کیونکہ آسمان سے جو نور اترتا ہے اگر بصیرت تیز ہو تو وہ دھندلا بھی دکھائی دے دیتا ہے اس کا تعلیم سے کوئی تعلق نہیں کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں چونکہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہوں اس لئے دن کے وقت مجھ سے چلنا مشکل ہے، مجھے روشنی نظر نہیں آتی، میری بہت معمولی تعلیم ہے اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ میری تعلیم بہت ہے اس لئے اندھیرے میں میں صاف چلتا ہوں۔ اس کا نور بصیرت سے تعلق ہے جس طرح مادی دنیا میں نورِ اعلیٰ نظر کا محتاج ہے اسی طرح روحانی دنیا میں بھی نظر کے صیقل ہونے سے مسائل آسان ہو جاتے ہیں۔ پس نظر کی فکر کرنی چاہئے یعنی ان معنوں میں کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ نورِ بصیرت کو تیز کرے اور وہ چیزیں جو واقعۃً بعض مراحل پر مشکل ہو جاتی ہیں مثلاً دور سے بعض باریک چیزیں عام نظر کو دکھائی نہیں دیتیں تو اس پہلو سے بعض مضامین مشکل بھی ہو جاتے ہیں کہ باریک باتوں سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے لئے باریک نظر کی ضرورت ہے لیکن وہ باریک نظر کی صلاحیت خدا نے سب کو عطا کی ہے اور اسے اجاگر

کرنے کے لئے تقویٰ کی عینکوں کی ضرورت ہے۔اعلیٰ درجہ کی تقویٰ کی عینک لگا ئیں تو باریک سے باریک چیز موٹی ہوکر آپ کی نظر کے سامنے ابھر آئے گی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس لئے یہ باتیں دکھائی دے رہی ہیں کہ اس دور میں آپؑ سے بڑھ کر متقی کوئی نہیں تھا اور آپؑ کی آنکھ سے ہم بھی تو دیکھ سکتے ہیں کسی حد تک، اگر پوری طرح نہیں تو کچھ نہ کچھ شعور ان نظاروں کا ہم کر سکتے ہیں۔ جو مسیح موعود علیہ السلام نے کئے۔اسی لئے ان باتوں کو سمجھا کر، آپ کے لئے نسبتاً آسان بنا کر میں سامنے رکھ رہا ہوں اور امید رکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ ہم سب کی وہ نظر تیز کرے جو الٰہی نور دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہو جب خدا اسے دکھائے کیونکہ بذات خود الٰہی نور کو دیکھنے کی کوئی صلاحیت نہیں رکھتا۔فرماتے ہیں:

”۔۔۔اور چونکہ وہ فیضان ایک نہایت باریک صداقت ہے۔۔۔“

اب دیکھ لیجئے وہی مضمون ہے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے رکھا تھا۔

”۔۔۔اور چونکہ وہ فیضان ایک نہایت باریک صداقت ہے اور دقائق حکمیہ میں سے ایک دقیق مسئلہ ہے۔۔۔“

کیونکہ یہ فیضان مسیح موعود علیہ السلام فرما رہے ہیں جس کی میں بات کرنے لگا ہوں یہ ایک بہت باریک صداقت ہے اور وہ دلائل جو حکمتوں سے تعلق رکھتے ہیں ان دلائل میں باریک ترین حکمتوں سے تعلق رکھنے والے دلائل ہیں جو میں آپ کے سامنے کھولنے لگا ہوں فرماتے ہیں:

”۔۔۔اس لئے خداوند تعالیٰ نے اول فیضان عام کو (جو بدیہی الظہور ہے) بیان کر کے پھر اس فیضانِ خاص کو جو بغرض اظہار کیفیتِ نور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ ایک مثال میں بیان فرمایا ہے۔۔۔“

فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے یہ مسئلہ آسان فرما دیا ہے۔ پہلے نور عام کی بات کی جسے ہرکس و ناکس سمجھ سکتا تھا اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس پر غور کرو تو واقعۃً ہر آدمی کو سمجھ آ جائے گی کہ خدا کی منشاء اور اس کے ارادے کے بغیر کوئی چیز نہ بن سکتی ہے نہ قائم رہ سکتی ہے۔اس وقت تک رہے گی جب تک خدا چاہے گا اور اس کی تمام صفات مبنی ہیں اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کیا صفات رکھی ہوئی ہیں۔ جب تک ان صفات کی حفاظت فرماتا ہے اللہ یا اس کا قانون، اس

وقت تک وہ رہتی ہیں۔ جب وہ حفاظت کا ہاتھ اٹھ جاتا ہے تو ضائع ہونی شروع ہو جاتی ہیں جب تک خدا کی تقدیر کے ڈیزائن میں کسی کے نور کے قائم رہنے کی مدت چلتی ہے اس وقت تک وہ چلے گی اس کے بعد جواب دے جائے گی۔ انسان کے ڈیزائن میں اللہ کے نور کا دخل ہے اس کے بغیر انسان کی تصویر، اس کی تشکیل ہو ہی نہیں سکتی تھی اس ڈیزائن میں اللہ تعالیٰ نے یہ رکھا ہے کہ ایک وقت تک میں اسے بڑھاتا چلا جاؤں گا اس کی تمام صلاحیتیں چمکتی جائیں گی اور زیادہ طاقتور ہوتی چلی جائیں گی پھر ایک وقت آئے گا کہ وہ ڈھلنے لگیں گی اور جس طرح دن ڈھل جاتا ہے سورج غروب ہونے لگتا ہے اسی طرح وہ انسان واپس اپنی حالت کو لوٹنا شروع ہو جائے گا اسی کو بڑھاپا کہتے ہیں۔ ایسا بڑھاپا جو تمام صلاحیتوں پر قابض ہو جائے اس کو ارذل العمر کہا جاتا ہے۔ تو صلاحیتیں آتی ہیں، مٹتی ہیں مگر نورِ خدا نہیں مٹتا اس لئے یہ صلاحیتیں نورِ خدا کہلانے کے باوجود نورِ خدا نہیں ہیں یعنی نور کا پرتَو تو ہیں لیکن خود اپنی ذات میں نور نہیں ہیں۔ اور جہاں تک اللہ کے نور کی کیفیت کا تعلق ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں وہ صرف ایک مثال کی صورت میں دیا جا سکتا تھا کیونکہ خدا کے نور کی کنہہ، اس کی حقیقت، اس کا فیض انسان کسی صورت پا ہی نہیں سکتا۔ اس کا فیض تو پا سکتا ہے اس کا عرفان، حقیقی عرفان اس کا ادراک حاصل کر نہیں سکتا۔ یہ انسان کی صلاحیتوں سے بالا بات ہے۔

پس تمثیلات دے کر اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھاتا ہے اور سب سے اچھی مثال، سب سے پیاری، سب سے پاکیزہ، سب سے زیادہ صادق آنے والی مثال جو خدا کو نظر آئی وہ محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ تو فرماتا ہے:

”۔۔۔مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اور بطور مثال اس لئے بیان کیا۔۔۔“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”۔۔۔کہ تا اس دقیقۂ نازک کے سمجھنے میں ابہام اور دقت باقی نہ رہے۔۔۔“

اگر خدا تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کی مثال دے کر اپنے نور کو نہ سمجھاتا تو یہ اتنا باریک نکتہ تھا کہ انسان کے بس میں اس کا سمجھنا نہیں تھا اس لئے محمد رسول اللہ ﷺ کی مثال کے حوالے سے ان باریک

تر معارف کو ہم پر کھولنے کا ایک رستہ پیدا فرما دیا۔

”۔۔۔کیونکہ معانی معقولہ کو صور محسوسہ میں بیان کرنے سے ہر ایک غبی و بلید بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔۔۔“

اس لئے ایسا کیا گیا کہ اگر معقولات کی دنیا کو تصویری زبان میں پیش کر دیا جائے اور بنا کر Demonstrate کر کے دکھایا جائے تو ایک غبی، موٹی عقل والا اور معمولی فہم والا انسان بھی ان لطائف کو سمجھ سکتا ہے جو اس مثال کی مدد کے بغیر سمجھ نہیں آسکتے تھے۔ پس اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی مثال بیان فرمائی ہے۔

”۔۔۔بقیہ ترجمہ آیاتِ ممدوحہ یہ ہے اس نور کی مثال (فرد کامل میں جو پیغمبر ہے) یہ ہے جیسے ایک طاق (یعنی سینہ مشروح حضرت پیغمبر خدا ﷺ)۔۔۔“

یہ جو فرمایا ہے کہ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ مشکوٰۃ کہتے ہیں طاق کو تو آپؑ نے فرمایا طاق سے مراد ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی مثال میں ان کے کیا معنی ہیں، فرماتے ہیں، حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کا کھلا سینہ، وہ سینہ جو کائنات کی وسعتوں کو سمیٹنے کے لئے کھل چکا تھا اور ایسا وسعت پذیر تھا کہ اللہ کے نور کی وسعتیں اس سینے میں معرفت بن کر اتر سکتی تھیں اور اترتی تھیں اس کو مشکوٰۃ فرمایا ہے۔ مشروح لفظ میں یہ حکمت بیان ہوئی ہے کہ کیوں محمد رسول اللہ ﷺ کا سینہ چنا گیا کیونکہ اس میں وسعتیں بہت تھیں۔

”۔۔۔اور طاق میں ایک چراغ۔۔۔“

اور طاق کے اندر یعنی اس سینے میں ایک چراغ ہے وہ کیا ہے فرمایا وہ وحی ہے۔ اللہ کی وحی جو نازل ہوتی ہے وہ چراغ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے نور کو اپنے نور کی مثال کے طور پر محمد رسول اللہ ﷺ کے سینے میں روشن دکھایا ہے۔

”۔۔۔اور چراغ ایک شیشے کی قندیل میں جو نہایت مصفّیٰ ہے۔۔۔“

چراغ کہاں ہے ایک شیشے کے لیمپ میں۔ قندیل شمع کو کہتے ہیں جس میں اردگرد شیشے کا گلاس ہو تو فرمایا ایک شیشے کی قندیل میں ہے جو نہایت مصفّیٰ ہے وہ ایسا صاف ہے کہ اس روشنی کو اپنے سے گزارتے ہوئے گدلا نہیں کرتا بلکہ وہ پوری طرح مصفّیٰ حالت میں چمکتی ہوئی ہر طرف پھیلتی ہے۔

پس محمد رسول اللہ ﷺ کا دل اس لئے لازم تھا کہ اللہ کا نور جیسا محمد رسول اللہ ﷺ کے دل میں جلوہ گر تمام دیکھنے والوں کو دکھائی دے سکتا تھا اور دنیا میں کسی وجود میں یہ صلاحیت ہی نہیں تھی کہ اس طرح شفاف طور پر ایک ادنیٰ سی بھی میل ڈالے بغیر بعینہٖ جیسا حاصل کیا تھا اسی صورت میں وہ روشن کر کے دنیا کو دکھا دے۔ یہ بنیادی صفت تھی محمد مصطفیٰ ﷺ کے دل کی جس کی وجہ سے آپؐ کو نور کی قندیل بنایا گیا۔ فرماتے ہیں:۔

''۔۔۔یعنی نہایت پاک اور مقدس دل میں جو آنحضرت ﷺ کا دل ہے جو کہ اپنی اصل فطرت میں شیشہ سفید اور صافی کی طرح ہر یک طور کی کثافت اور کدورت سے منزہ اور مطہر ہے۔۔۔''

یعنی ایسے صاف شیشے کی طرح جس میں ادنیٰ سی بھی میل نہ ہو، ہر چیز سے پاک کر دیا گیا ہے، ہر کدورت سے صاف ہے اور مطہر ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے پاکیزگی عطا فرمائی گئی ہے۔

''۔۔۔اور تعلقات ماسوی اللہ سے بکلی پاک ہے۔۔۔''

اب آپ یہ دیکھیں کہ کیسی عظیم الشان تفسیر ہے دل کے پاک اور صاف، کدورتوں سے پاک ہونے کی۔ فرماتے ہیں اللہ کے سوا ہر دوسرے تعلق کی میل سے پاک ہے اور وحی الٰہی اگر ایسے دل سے جلوہ گر ہو جس میں دنیا کا کوئی بھی میلان ہو تو اسی حد تک وحی الٰہی کا انعکاس مکدر ہو جائے گا۔ پس جس کو ہم شیشوں کے داغ کہتے ہیں وہ خدا کے سوا دنیا کے تعلقات کے داغ ہیں جو انسان کو خود وحیٔ الٰہی سمجھنے سے بھی محروم کر دیتے ہیں۔ کسی حد تک اس کا انعکاس جو ہوتا ہے وہ ان رشتوں کے حوالے سے بھی ہونے لگتا ہے جو اس کے دل کے خدا کے علاوہ رشتے ہیں۔

تو جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں بے داغ، کدورت سے پاک تو یہ فرضی باتیں نہیں ہیں کہ فرضی تعریف ہو رہی ہے۔ لفاظی نہیں ہے ایسی گہری حقیقتیں ہیں کہ ان میں اتر کر جب آپ منشاء مبارک کو سمجھیں تو پھر سمجھ آتی ہے کہ نور کیا تھا اور کیا ہے اور کن معنوں میں اسے نور قرار دیا گیا ہے پس وہ قلب صافی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ جو ایک قندیل کے طور پر نور اللہ کے لئے بنایا گیا یعنی اس پر وحی نازل ہوا اور اس وحی کی چمک ہر کثافت سے پاک ہو کر تمام دنیا کو روشن کر

دے یہ وہ نور کی مثال ہے جو آنحضرت ﷺ کے حوالے سے پیش کی گئی ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

''اور شیشہ ایسا صاف کہ گویا ان ستاروں میں سے ایک عظیم النور ستارہ ہے جو کہ آسمان پر بڑی آب و تاب کے ساتھ چمکتے ہوئے نکلتے ہیں جن کو کوکب دری کہتے ہیں۔۔۔''

یعنی دنیا کی بات کرتے ہوئے کَوْكَبٌ دُرِّيٌّ (النور:36) کہہ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو دنیا سے بلند کر دیا ہے کہ سطح سے بالا ستاروں کے جھرمٹ میں داخل فرمایا ہے اور اس ستارے کی مثال دی ہے جو سب سے زیادہ روشن ہے اور وہ بھی اللہ ہی کے نور سے چمکتا ہے تو ارضی ہوتے ہوئے سماوی ہو جانا یہ اس دل کا ایک خاصہ تھا جسے کَوْكَبٌ دُرِّيٌّ نے ظاہر فرما دیا۔

''۔۔۔یعنی حضرت خاتم الانبیاءؐ کا دل ایسا صاف کہ کوکب دری کی طرح نہایت منور اور درخشندہ جس کی اندرونی روشنی اس کے بیرونی قالب پر پانی کی طرح بہتی ہوئی نظر آتی ہے وہ چراغ زیتون کے شجرہ مبارکہ سے یعنی زیتون کے روغن سے روشن کیا گیا ہے۔۔۔''

اب یہ بھی ایک مسئلہ ہے جس پہ لوگ غور کرتے ہیں پھر ہار کے چھوڑ دیتے ہیں کہ زیتون کے روغن سے کیا مراد ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اللہ نے جو انکشاف فرمایا وہ یہ ہے

''۔۔۔شجرہ مبارکہ زیتون سے مراد وجود مبارک محمدی ہے کہ جو بوجہ نہایت جامعیت و کمال انواع و اقسام کی برکتوں کا مجموعہ ہے جس کا فیض کسی جہت و مکان و زمان سے مخصوص نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لئے عام علی سبیل الدوام ہے اور ہمیشہ جاری ہے کبھی منقطع نہیں ہوگا۔۔۔''۔

یہ فرمانا اس غرض سے ہے کہ جتنے بھی خدا تعالیٰ نے شجر بنائے ہیں انسان کے فائدے کے لئے، آپؑ فرماتے ہیں کہ زیتون کا شجر آنحضرت ﷺ کی صفات کی مثال بننے کا سب سے زیادہ حق رکھتا ہے کیونکہ یہ وہ شجر ہے جو شرق و غرب میں برابر پایا جاتا ہے اور جس کے اندر سے نہایت ہی صافی تیل نکلتا ہے۔ ایسا صاف تیل کسی اور درخت کے پھل میں سے نہیں نکلتا جیسا صاف اور پاکیزہ اور مفید تیل زیتون کے درخت سے نکلتا ہے۔

پس شجرۂ طیبہ سے آنحضرت ﷺ کا وجود مراد ہے اور اس شجرۂ طیبہ کی مثال زیتون سے دی گئی ہے۔ زیتون کے تیل کے اور جو فوائد ہوں، یہ پاک تیل جب جلتا ہے تو کم سے کم دھواں پیدا ہوتا ہے اس سے بلکہ شاید دھواں نہ ہی پیدا ہوتا ہو۔ میرے علم میں ظاہری تیل کی تفصیلات تو معلوم نہیں مگر آنحضرت ﷺ کی مثال اس سے بہتر دی نہیں جاسکتی تھی اس لئے اسی پر اکتفا ہے مگر کن معنوں میں یہ تیل محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی تشریح خود قرآن نے کر دی اور اس پہلو سے زیتون کا درخت بھی نیچے گرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پس مثال کے لئے ضروری نہیں کہ جس کی مثال ہو اس پر بعینہٖ چسپاں ہو۔ اللہ کے نور کی مثال دی گئی ہے مگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ عین اللہ تو نہیں ہیں اس لئے مثال کے وقت یہ جو کمزوریوں کا فرق ہے یہ ایک مجبوری ہے مثال کے وقت قریب ترین چیز ڈھونڈی جاتی ہے۔ پس نور الٰہی کے لحاظ سے قریب ترین چیز محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ محمد رسول ﷺ کے وجود کی مثال کے لئے قریب ترین چیز شجرۂ مبارکہ زیتون ہے جس کا تیل نہایت شفاف ہے اور بیماریوں سے پاک ہے اور کم سے کم کثافت رکھتا ہے۔

اس مضمون کو طبی نقطہ نگاہ سے آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ جتنے بھی Fats ہیں جن میں کھانے پکتے ہیں، جتنے بھی روغنیات ہیں جن سے کھانے پکتے ہیں ان میں تمام دنیا بھر کے سائنس دانوں نے تحقیق کے بعد یہ اتفاق کیا ہے کہ زیتون کا تیل کھانے والوں کو کم سے کم دل کا حملہ ہوتا ہے اور کسی اور روغن سے دل اتنا محفوظ نہیں جتنا اس روغن سے محفوظ ہوتا ہے۔ پس وہ علاقے جہاں زیتون کا تیل کھایا جاتا ہے اور خوب کھایا جاتا ہے ان میں کم سے کم دل کے حملے کی واردات ہوتی ہے۔ تو کثافت کے نقطہ نگاہ سے روغن چاہے کوئی بھی ہو ایک کثافت اپنے اندر رکھتا ہے جو دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور وہ کثافت نالیوں میں بیٹھتی ہے اور اس کے نتیجے میں دل غرق ہو جاتے ہیں تو زیتون میں آپ دیکھ لیں وہ کثافت کم سے کم ہے۔

لیکن روحانی معنوں میں اللہ تعالیٰ نے اس کو یوں بیان فرمایا جو آگے ذکر آئے گا میں وہاں بتاؤں گا پھر۔ اب واپس اس عبارت پہ چلتے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی میں آپ کے سامنے پڑھ رہا تھا۔ زیتون کے شجرۂ مبارکہ سے وہ روشن کیا گیا ہے

”۔۔۔ شجرۂ مبارکہ زیتون سے مراد وجودِ مبارک محمدیؐ ہے کہ جو بوجہ

نہایت جامعیت وکمال انواع واقسام کی برکتوں کا مجموعہ ہے جس کا فیض کسی جہت ومکان وزمان سے مخصوص نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لئے عام علی سبیل الدوام ہے اور ہمیشہ جاری ہے، کبھی منقطع نہیں ہوگا اور شجرۂ مبارکہ نہ شرقی ہے نہ غربی“۔۔۔

یہاں آنحضرت ﷺ کے وجود کے متعلق فرمایا ہے کہ نہ یہ شرقی ہے نہ غربی ہے اس کا تعلق کل عالم سے ہے۔ یعنی جس طرح زیتون ایک عالمی فیض کا درخت ہے جس کے تیل سے شرق وغرب برابر استفادہ کرتے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود اپنے روحانی خصائل کے لحاظ سے شرق وغرب کی کوئی تمیز نہیں کرتا کسی ایک کے لئے آپؐ کے دل میں کوئی تعصب نہیں پایا جاتا، سب کے لئے برابر فیض رساں ہیں۔

پھر فرماتے ہیں:

”۔۔۔یعنی طینت پاک محمدیؐ میں نہ افراط ہے نہ تفریط بلکہ نہایت توسط واعتدال پر واقع ہے۔۔۔“

دوسرا معنی اس کا یہ ہے کہ شرق وغرب نہیں یعنی نہ ایک طرف رجحان نہ دوسری طرف یعنی وسط میں واقع ہیں۔ نہ شرقی نہ غربی کا مطلب ہے پنڈولم کے دو کناروں کی طرح یہ نہیں کہ آپؐ کسی ایک کنارے پر واقع ہوں یا ایک یا دوسرے پر بلکہ وسط میں جہاں قرار ملتا ہے پنڈولم کو جو ایک دائمی حالت ہے اور وہ شرق وغرب کی حرکتوں کی عین بیچ میں واقع ہے جو دونوں کے لئے یکساں اور سانجھا ہے اس مرتبۂ وسط پر آنحضرت ﷺ کو پیدا فرمایا گیا۔ اس لئے تمام انسانی صلاحیتوں کے نقطہ نگاہ سے بھی آپ وسط میں واقع ہیں۔ تمام انسانی تعلقات کے نقطے سے بھی آپ وسط میں واقع ہیں اپنی تعلیمات کے لحاظ سے بھی آپؐ وسط میں واقع ہیں اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ تعلیمات مشرق کے لئے تو موزوں ہیں مغرب کے لئے نہیں یا مغرب کے لئے تو موزوں ہیں مشرق کے لئے نہیں۔ اس لئے وسطی ہونا آپؐ کے اعتدال، عدل اور انصاف کا بھی مظہر ہے اور آپؐ کے بہترین ہونے کا بھی۔

اسی لئے اوسط کا لفظ عربی میں اعلیٰ اور ارفع کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جو سب سے بیچ میں ہے وہ سب سے اعلیٰ ہے۔ پس اس لحاظ سے آپؐ کا وجود شجرۂ مبارکہ نہ شرقی ہے نہ غربی ہے۔

آپؐ کی ان صفات سے تعلق رکھتا ہے جو عالمی نوعیت کے ہیں جن صفات کی بنا پر آپ ہی ہیں جو اس بات کے حق دار تھے کہ کل عالم کے لئے خدا کے نور کا نمونہ بن کر اتریں۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں

”۔۔۔اور احسن تقویم پر مخلوق ہے۔۔۔“

اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ (التین:5) کی ایک عظیم الشان تعریف بھی یہ آپ نے فرمادی۔ جو سورہ التین کی ایک آیت میں محاورہ ملتا ہے لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ہم نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس تفسیر کی روشنی میں کہ تمام صفات کو معتدل بنا دیا ہے۔ ہم نے انسان کو اس حال پر پیدا کیا ہے کہ کسی جانور کی طرح کوئی ایک ہی حد سے بڑھی ہوئی صفت اکیلی اس میں نہیں پائی جاتی، اس میں شیر کی طرح بپھرنے کی بھی استطاعت ہے اور بھیڑ کی طرح جھک جانے اور عاجزی اختیار کرنے کی بھی صفات ہیں۔ غرضیکہ ہر قسم کی صفات جو تمام دنیا کے جانوروں کو دی گئی ہیں ان کو برابر کر کے، ان میں عدل پیدا کر کے ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے۔

اور ارتقاء کے ایک لمبے دور کی طرف اشارہ ہے جو دراصل تعدیل کا دور ہے اس دور کی تکمیل پر پھر انسان کا پھل لگتا ہے۔ اس سے پہلے دوسرے جاندار تو ہیں مگر وہ تعدیل سے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا چکے ہیں، اس عدل کے نظام کی مکمل تصویر نہ بن سکے۔ تو تمام انسان سے نیچے کی حالتیں احسن تقویم کا پھل تو ہیں مگر پہلی منزلوں کے پھل ہیں، آخری منزل نہیں۔ انسان اس کی آخری منزل ہے اور انسان کی آخری منزل جس نے ایک وجود میں احسن تقویم کا تمام تر جلوہ پوری شان سے دکھایا وہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی ذات جامع برکات ہے۔ فرماتے ہیں:

”۔۔۔اس شجرہءِ مبارکہ کے روغن سے جو چراغِ وحی روشن کیا گیا ہے سو روغن سے مراد عقلِ لطیف نورانی محمدیؐ مع جمیع اخلاق فطرتیہ ہے جو اس عقلِ کامل کے چشمہ صافی سے پروردہ ہیں۔۔۔“

(براہین احمدیہ حصہ سوم۔ روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ 193-191۔ حاشیہ)

اب یہ جو مضمون ہے یہ بہت اور بھی زیادہ باریک ہوتا جاتا ہے اور حضرت مسیح موعود

علیہ السلام کو ایسا صاف دکھائی دے رہا ہے کہ آپؑ فرماتے ہیں اس کے بعد کوئی غبی ہی ہوگا جو نہ سمجھے گویا کہ اکثر انسان واقعۃً جو ان باتوں کو بہت دقیق دیکھنے کی وجہ سے نہیں سمجھ سکتے اس مثال کے باوجود نہیں سمجھ سکتے وہ اپنے درجے کے اعتبار سے غبی دکھائی دیتے ہیں۔ اصل میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا نورِ فطرت ایسا صیقل کیا گیا تھا، آپ کو جو مزاج کا تیل عطا کیا گیا تھا وہ آنحضرت ﷺ کے اس صافی تیل کی برکتوں سے خود فیض یافتہ تھا اس لئے آپ کو تو آسانی سے دکھائی دے دیا ہے اور وہ جو فقرہ ہے اس کا بوجھ اس لئے ہلکا ہو جاتا ہے جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ آپؑ تو اُسی دنیا کے تھے، اُس دنیا کی چیزیں صاف دکھائی دیتی تھیں ہم جیسے کور باطنوں کے لئے تو غبی کہلانے کے سوا چارہ ہی نہیں رہا کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی صاف دکھائی نہیں دے رہا مگر اب جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں اور ہمیں دکھا رہے ہیں پھر تو دیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے اتنی سی بات تو دنیا کے عام شاعروں کو بھی پتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

آئینہ تیری قدر کیا جانے
میری آنکھوں سے دیکھ تو کیا ہے

پس عام آئینۂ بصیرت جو ہر انسان کو عطا کیا گیا ہے اس کو محمد رسول اللہ ﷺ کی قدر کا کیا پتا۔ اگر دیکھنا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں سے دیکھیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا حسن کیا ہے اور یہ تفسیر جو میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ کوئی انسان جس میں شرافت کا مادہ ہو اور حیاء ہو اس تفسیر کو پڑھنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کبھی گستاخی کی زبان دراز نہیں کر سکتا۔ اسے سمجھ آئے نہ آئے اتنا یقین ضرور ہو جائے گا کہ ایک ایسے عارف باللہ کا کلام ہے جس کا محمد رسول اللہ ﷺ سے ایک ازلی اتصال ہے جیسا عاشق و معشوق کا کامل اتصال ہوتا ہے اور اس اتصال کے بغیر یہ نور آپؑ کو میسر آ ہی نہیں سکتا تھا۔

فرماتے ہیں، جو چراغِ وحی روشن کیا گیا ہے اب آپ دیکھ لیں وحی کا چراغ اس تیل سے روشن ہوا ہے۔ اس سے ایک بہت ہی بڑا عقدہ حل ہو گیا جو پیرا سائیکالوجی کی دنیا والے حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، ابھی تک ان کو سمجھ نہیں آئی۔ بات یہ ہے کہ وحی کے بغیر بھی بعض دفعہ انسانی قلب جو عام چیزوں سے ملوث نہ ہو بعض خاص دائروں میں صفا ہو ان دائروں میں چمک اٹھتا ہے اور ایسی

کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جیسے وحی کے ذریعے وہ چیز دیکھ رہا ہے جو دوسروں کو نظر نہیں آ رہی۔ یہ ایک بہت ہی اہم مسئلہ ہے جو آج کل سائنس کی دنیا میں زیر بحث ہے اور اکثر سائنس دان جو شروع میں اس کو رد کر دیا کرتے تھے اب اسے تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں خواہ ان کو سمجھ آئے یا نہ آئے۔ امریکہ میں بھی اس پر بہت کام ہوا ہے، روس میں بھی بہت ہوا ہے۔ یہاں کیمبرج یونیورسٹی میں بھی اس پر باقاعدہ کام ہو رہا ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ حواسِ خمسہ کے بغیر ایک چیز ایسی باتیں کیسے معلوم کر سکتی ہے جس کے درمیان اور اس کے معلوم کرنے والے کے درمیان کوئی ایسا رابطہ نہ ہو جو حواسِ خمسہ کے ذریعے اسے خبر دے۔ مثلاً روشنی کے بغیر کسی نظارے کو دیکھنا یہ سائنس کے لحاظ سے ایک نہایت غیر معقول اور نا قابل قبول بات ہے مگر آنکھیں بند کر کے آپ ایک ایسا نظارہ دیکھ لیتے ہیں جو چین میں واقع ہو رہا ہے اور چین کے واقعہ کی اگر تحقیق کی جائے اور ثابت ہو جائے کہ عین اس لمحہ چین میں وہ واقعہ ہو رہا تھا تو ایک بڑی مشکل میں انسان مبتلا ہو جائے گا لیکن انسان کو جو اللہ تعالیٰ نے نور کی صلاحیت بخشی ہوئی ہے نور کے رابطے کی صلاحیت بخشی ہوئی ہے وہ اس تیل کی لطافت کو چاہتی ہے جو مثال کے طور پر شجرہ ءِمبارکہ کا تیل محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب فرمایا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ وحی کو قبول کرنے کے لئے پہلے یہ تیل صاف اور شفاف ہونا چاہئے کیونکہ جو بھڑکتا ہے وحی سے وہ تیل بھڑکتا ہے اگر نہ ہو تو وحی سے کچھ بھی نہیں بھڑکے گا۔ پہاڑ پر جلوہ ہو تو پہاڑ ریزہ ریزہ تو ہو جائے گا اسے وحی کا شعور کچھ نصیب نہیں ہو گا۔ پس وحی کے شعور کے لئے، اس سے روشنی پانے کے لئے اور ایک نئی تخلیق بن کر ابھرنے کے لئے ایک بنیادی فطرتی تیل کی ضرورت ہے۔ جس کے لئے شفاف ہونا شرط ہے جتنا شفاف ہو اتنا ہی اس کے جلد تر بھڑک اٹھنے کا امکان موجود ہے اور روشن تر ہو جانے کا رستہ کھلتا ہے ورنہ نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ یہ کیا چیز تھی، روغن کیا تھا ”عقلِ لطیف نورانی محمد ﷺ“۔

عقلِ لطیف تو سمجھ آ گئی جو انسان کی عام عقل روشن ہو لیکن نورانی عقل سے مراد وہ چھٹی حس ہے جو ہر خاصہ سے تعلق رکھتی ہے جس کو حواسِ خمسہ کہا جاتا ہے ان میں سے ہر ایک حس میں ایک آخری مقام ہے لطافت کی انتہا کا اسے نورانی مقام کہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے حواسِ خمسہ تو بہت لطیف تھے لیکن اس کے علاوہ نورانی بھی تھے۔ وہ اس حد

تک صیقل ہو چکے تھے کہ عام انسانوں کے حواس سے بڑھ کر ان میں ایک نور پیدا ہو چکا تھا۔ ایسی عقلِ لطیف جو نورانی ہو محمدی عقل کی طرح ''مع جمیع اخلاق فاضلہ فطرتیہ ہے'' یعنی صرف یہ نہیں بلکہ اس کے ساتھ اخلاق فاضلہ کا ہونا ضروری ہے اس لطیف چشمۂ نور سے جو ایک تیل کی مثال کے طور پر بتایا گیا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں اخلاق فاضلہ بھی پھوٹتے ہیں یہ جب اکٹھے ہو جائیں تو اس عقلِ کامل کے چشمۂ صافی سے پروردہ ہیں اور وحی کا چراغ لطائفِ محمدیہ سے روشن ہونا ان معنوں کے لحاظ سے۔''

اب یہ دیکھیں آپ ﷺ کہ نور کی جو لطافتیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مثال سے سمجھی ہیں اس مثال سے ان لطافتوں کو سمجھنا ایک نور کا تقاضا کرتا ہے اور وہ نور کی آنکھ ہی ہے جو نصیب ہو تو انسان نور کو دیکھ سکتا ہے جس طرح دنیا کی آنکھ سب کو برابر میسر ہے اور آیت کے پہلے حصے کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اسی طرح دوسرے حصہ کے ساتھ عباد اللہ کا تعلق ہے جن پر شیطان کا غلبہ نہیں ہے۔ ان کے غلبے سے آزاد شیطانی غلبے سے آزاد خدا کے بندوں کو نور عطا ہو سکتا ہے کیونکہ ان کا نورِ فطرت بھی چمک رہا ہوتا ہے، ان کے اخلاقِ فاضلہ بھی لطیف تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور ان کا سفر خدا کی طرف اس طرح ہوتا ہے کہ ہر لحظہ ان کے اندر وحی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی رہتی ہے۔

یہ سفر جو صراط مستقیم کا سفر ہے جو اوسط رستے کا سفر ہے۔ جب انبیاءؑ کی منزل میں داخل ہوتا ہے اور اسے اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ کی آخری منزل فرمایا گیا ہے۔ اس منزل میں داخل ہو کر یہ وحی کو قبولیت کی صلاحیتیں جو پہلے بھی رکھتا تھا ان صلاحیتوں کو بروئے کار لے آتا ہے۔ صلاحیتیں موجود تھیں، وہ عمل کی دنیا میں ڈھلتی ہیں اور ان کے نتیجے میں کچھ پیدا ہونے لگتا ہے اور وہ وحی کا نزول ہے۔ پس اللہ کی وحی جس پر چاہے نازل فرماتا ہے مگر بے سوچے سمجھے نازل نہیں فرماتا، جو مستحق ہے اس پر نازل فرماتا ہے اور یہ فیضِ عام نہیں، فیضِ خاص ہے۔ فیضِ عام سب پر برابر ہے اور فیضِ خاص ان بندوں پر ہے جنہوں نے شیطان کو رد کیا۔ تو نور کی طرف حرکت کرنے کے یہ سارے مراحل ہیں۔ ان کو سمجھنا محض عقلی لطف کے طور پر نہیں ایک ضرورتِ حقہ کے طور پر ہے۔ آپ جب تک اس نور کے سفر کے آداب نہیں سمجھیں گے اس سفر کے طور طریق آپ پر روشن نہیں ہوں گے اس کے قوانین و قواعد سے

واقف نہیں ہوں گے یہ سفر کر ہی نہیں سکتے اور نور کی طرف سفر ہمارا لازم ہے کیونکہ قرآن کریم نے مذہب کا خلاصہ یہ بیان کیا ہے کہ اللہ اور اللہ والے خدا کے بندوں کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالتے ہیں۔

پس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے متعلق کہا جائے کہ جی آپ تو صاحبِ علم لوگوں کی بات کر رہے ہیں۔ صاحبِ علم کی باتیں نہیں ہر انسان کی ضرورت کی لازمی باتیں ہیں۔ اس کو ان لطائف کے انداز میں نہ سمجھیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان سے جاری ہوئے ہیں، آپؑ کے قلم سے جاری ہوئے ہیں لیکن ان کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب آسان بنا کر عام زبان میں آپ کو دکھا دیتے ہیں تو اس کو سمجھنا لازم ہے اس سے تو کوئی مفر نہیں ہے۔

پس نور کا سفر اب خلاصۃً میں اس خطبے کا خلاصہ یوں نکال رہا ہوں کہ نور کا سفر چاہتا ہے کہ ہم اپنے دل کو کدورتوں سے پاک کریں۔ نور کا سفر چاہتا ہے کہ ہم اپنے سینے کو کشادہ کریں، اپنے خاندان کے تعلقات سے بھی کشادہ کریں، اپنی قوم کے تعلقات سے بھی کشادہ کریں اور اپنے مذہب، ہم رنگ، ہم نسل لوگوں کے دائرے سے بھی اس کا دائرہ وسیع تر کر دیں۔ یہ سینہ جب اتنا کشادہ ہو جائے گا تو پھر نورِ محمدی ﷺ کو قبول کرنے کے لئے اس میں استطاعت پیدا ہو جائے گی کیونکہ آنحضرت ﷺ کا سینہ کل عالم کو سمیٹنے کے لئے وسیع فرما دیا گیا تھا۔ اس لئے سینۂ مشروح محمدی ﷺ اس کو کہتے ہیں پس اپنے سینے کو وسعت دیں اور پھر اپنے دل کو ان کثافتوں سے پاک کریں جو دنیاوی آلائشوں کی کثافتیں ہیں کیونکہ جب آپ صاف کریں گے تو پھر وہ فطرت میں جو نور ہے وہ بھی دکھائی دینے لگے گا، وہ بھی جولانی دکھائے گا اور وہ نور جو آسمان سے اترا کرتا ہے اسے قبول کرنے کی بھی صلاحیت پیدا ہوگی۔

یہ وہ مضمون ہے جو باقی آیت کے حصے میں اور کھول کر بیان فرمایا گیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفسیر کے ابھی کئی صفحے باقی ہیں اس لئے میں انشاء اللہ آئندہ خطبے میں جہاں اس مضمون کو چھوڑا ہے وہاں سے شروع کروں گا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ